اور گستاخ سمجھتے ہیں۔ اس طرح کے قابلِ اعتراض اشعار کو وہ اظہارِ عشقِ نبی اور توشۂ آخرت سمجھے بیٹھے ہیں۔ شرافت صاحب کے ایک مدّاح ڈاکٹر احمد حسین احمد قلعداری لکھتے ہیں کہ شرافت صاحب نے تحقیق و تجسس سے نئی صورتیں دکھائی ہیں ص۱۴۱۔ اس میں کیا شک ہے کہ انھوں نے عجیب و غریب صورتیں ہمیں دکھائی ہیں۔

پنجاب کے مشہور رومانی قصے "مرزا صاحباں" کے ہیرو مرزا صاحبان کو شرافت صاحب نے سلسلۂ نوشاہیہ کے مؤسس حاجی نوشہ کا خلیفہ بتایا ہے ص۱۱۵۶۔ یہ خلیفہ صاحب، صاحبان کو اغوا کر کے لے گئے تھے اور پھر تعاقب کرنے والوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ کیا ولیوں کے خلفاء اس قماش کے لوگ ہوا کرتے ہیں؟

میاں غلام حیدر نامی ایک نوشاہی لدھیانہ میں ایک موچی کے ہاں مقیم تھا۔ اتفاق سے موچی کے ہاں ایک لڑکی تولد ہوئی۔ میاں صاحب نے اپنی کرامت سے اس کی جنس تبدیل کر دی ص۱۷۱۵۔

نوشاہیوں کے ہاں بہت سے ایسے ورد و وظائف مروج ہیں جن کی اصل کتاب و سنت یا آثار صحابہ میں نہیں ملتی۔ ان کے ہاں دعائے سریانی اور نادِ علی کا ورد کیا جاتا ہے ص۸۳۳۔ کاش شرافت صاحب اس کی اصل اور تاثیر بھی بتا دیتے۔

شرافت صاحب نواب علی نوشاہی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ وہ گالیاں بہت دیا کرتا تھا۔ اس لئے وہ عوام میں "گالیوں والے پیر صاحب" کے نام سے مشہور تھا ص۹۵۸۔ غالباً پیر صاحب نے قرآن حکیم کا مطالعہ نہیں کیا تھا ورنہ وہ قولوا للناس حسنا پر ضرور عمل کرتے۔ ہمارے بزرگ تو عوام کو اخلاق کا درس دیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرمایا کرتے تھے، "میں کوئی پیر

یا ولی اللہ نہیں ہوں ۔ میں تو لوگوں کے اخلاق درست کرتا ہوں ۔" نوشاہیوں کے ہاں لوگوں کو ماں بہن کی گالی دینا ہی شانِ ولایت سمجھا جاتا ہے ۔

شرافت صاحب بدوح شاہ نوشاہی اور جلال الدین نوشاہی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ لوگوں کو بددعائیں دیا کرتے تھے ۔ ان کی بددعا سے لوگوں کے جسم اور ڈبر میں کیڑے پڑ جاتے تھے اور وہ بھونک بھونک کر مرتے تھے ص۹۷ یہ باتیں بھی شرافت صاحب کے ہاں اولیاء اللہ کے مناقب میں شمار ہوتی ہیں ۔

شریف التواریخ کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہر نوشاہی پیر بے اولادوں کو اولاد دیا کرتا تھا اور ان کا ہر ولی بددعائیں ضرور دیا کرتا تھا ۔ ان کی بددعاؤں کا ہدف عموماً وہ لوگ ہوا کرتے تھے جو انھیں کھانے پینے کو نہ دیتے تھے ۔ اگر کوئی شخص انھیں کھانے کو نہ دیتا تو وہ اس کا فیض بھی سلب کر لیتے تھے ۔ ص۱۹۸ ۔

(باقی آئندہ)

چوتھی صدی ہجری کا شہرہ آفاق شاعر

ابوالطیّب المتنبّی

(از مسعود انور علوی)

(۴)

قید امیر حمص ۳۲۲ھ سے ۳۲۴ھ تک وہ امیر حمص کی قید میں مصائب و آلام جھیلتا رہا اور امیر کو حالت زار پر متوجہ کرتا اور رحم کی اپیل کرتا رہا۔ دیکھیے وہ کہتا ہے:

وفی جودکفیک ما جدتَ لی   بنفسی ولوکنت اشقی ثمود

تیری بخششوں میں میری ذات کو عطا کرنا اور آزاد کرنا ہے اگرچہ میں قوم ثمود کا بدبخت ترین انسان ہی کیوں نہ ہوں۔

امیر حمص کو اس کی حالت زار پر رحم آگیا اور عمائدین سلطنت کے مشورہ کے بعد اس کو رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد وہ حلب روانہ ہوگیا۔ جیل میں قید وبندگی تکالیف نے اس کی کمر توڑ دی تھی۔ اب وہ ایک ناامیدی و مایوسی کے عالم میں سرگرداں و پریشان تھا نہ دماغ میں کوئی ترنگ نہ دل میں کوئی امنگ۔

[illegible] کا اندازہ موضع قلندرین سے گذرتے ہوئے شیر [illegible] ن کر کہے ہوئے شعر سے لگایئے:

اجارکِ یا اُسدَ الفرادیس مکرم   فتسکن نفسی اَم مُہان فمسلم

وفائی وقد امی عداة كثيرة   أحاذر من بعض ومن بعضهم

اے مقام فرارسین کے شیرو! کیا تمہارا پڑوسی عزت دار ہے تاکہ میرا دل مطمئن ہوجائے یا وہ ذلیل اور دشمنوں کے سپرد کیا ہوا ہے۔ میرے آگے اور پیچھے بہت سارے دشمن ہیں، مجھے چوروں کا ڈر، تیرا ڈر اور دشمنوں کا خوف ہے۔

ایک دوسرے شعر میں نفسی کوائف کا بیان ہے:

أظمتني الدنيا فلما جئتها   مستسقيا مطرت علي مصائبا

دنیا نے مجھ کو پیاسا کردیا۔ جب میں اس کے پاس پیاس بجھانے آیا تو اس نے مجھ پر مصائب و آلام کی بارش کردی

متنبی گھومتا پھرتا حلب پہنچا مگر حلب ان دنوں دو ملاؤں کے بیچ مرغی حرام کے مصداق بنا ہوا تھا۔ یعنی حکومت عباسیہ و اخشیدیہ کے درمیان مابہ النزاع تھا چنانچہ وہ وہاں سے ہوتا ہوا انطاکیہ پہنچا اور امراء و وزراء کی مدح سرائی کر کے روزی کمانے لگا۔ اس کے ممدوحین میں ابو عبداللہ محمد الخصیبی، ابوالفضل احمد بن عبداللہ، مغیث بن العلی۔

مغیث بن علی کی شان میں زوردار قصیدہ کہا:

دمع جرى فقضى في الربع ما وجبا   لاهله وشفى انى ولا كربا

نسرت نحوك لا الوى على احد   أحث راحلتي الفقر والادبا

میرے آنسو میرے محبوب کو دیکھ کر بہے اور انھوں نے اس کا حق ادا کردیا تسلی حاصل ہوئی حالانکہ جدائی محبوب ...

پس اے ممدوح میں تمہاری جانب روانہ ہوگیا۔ اس طرح کہ میں

کسی شخص کی جانب متوجہ نہ ہوتا تھا اور میں فقر و ادب کی سواری پر سوار تھا یعنی میں تنگ دست و صاحب کمال تھا۔

متنبی نے اپنی عمر کا تقریباً نصف حصہ اسی طرح صحرانوردی اور بے نوائی میں گزارا وہ شاعری کو کسب معاش کی بھینٹ چڑھاتا رہا۔ اسی وجہ سے ۲۵ سال کی عمر تک وہ اپنی شاعری میں کوئی قابل ذکر انقلاب نہ لا سکا۔ وہ تمام عرصہ میں ابو تمام و بحتری کی کچھ حد تک تقلید کرتا رہا، اس کا تمام زور بیان تمام تر اہل زمانہ کی شکایات و مذمتوں پر صرف ہوتا رہا، وہ یا تو مصائب کا تذکرہ ورنہ امراء و اغنیاء کی بے جا تعریفیں کرتا رہا۔ اسے اپنی طبیعت کے خلاف تکلف و تصنع سے کام لینا پڑا۔ اسی وجہ سے اس دور کی شاعری میں بعض جگہ غیر مانوس الفاظ، بے جا تکرار و خشک تراکیب وغیرہ جیسے قابل اعتراض عیوب پیدا ہو گئے۔

اسی وجہ سے امیر حمص کی قید سے رہائی سے لے کر انطاکیہ کے قیام تک وہ اپنی شاعری میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہ لا سکا جسے شاعری اور ادبی بصیرت کا عمدہ شاہکار کہا جا سکتا۔

ابو علی ہارون کی معیت میں

آخر کار قدرت کو اس پر رحم آگیا اور اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کے مصداق وہ جنوبی شام جاتے ہوئے ابو علی ہارون سے ملا جس نے بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ متنبی نے دل کھول کر اس کی تعریف کی۔ ایک طویل قصیدہ جو ۴۵ اشعار پر مبنی اور ہر طرح کے صنائع معنویہ و لفظیہ سے مزین اور حسن ادا، حسن تخیل اور خوبی معانی سے آراستہ و پیراستہ تھا اس کی شان میں کہا جس کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب اس کی شاعری کا رنگ بدل گیا کلام میں پھر وہ زور بیان پیدا ہو گیا جو قید و بند کے مصائب و آلام کی وجہ سے ختم ہو گیا تھا۔

آمنَ انہ دیارک فی الدجی الرقباء ۔۔۔ اذحیث کنت من انظلام ضیاء
قلق الملیحۃ وھی مسک ھتکہا ۔۔۔ ومسیرھا فی اللیل وھی ذکاء

انا صخرۃ الوادی اذا ما زوحمت ۔۔۔ واذا نطقت فاننی الجوزاء
واذا خفیت علی الغبی فعاذرٌ ۔۔۔ ان لا ترانی مُقلۃٌ عمیاءُ

تیرے رقیب اے محبوبہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ تو مجھ سے تاریکی شب میں ملاقات کرے اس لئے کہ تو جہاں کہیں ہوگی تیرے حسن و جمال کی وجہ سے روشنی ہوجائے گی۔ محبوبہ کی حرکت (چلنا) اس حال میں کہ وہ مشک ہے اس کا پردہ فاش کرتی ہے اور رات میں اس کا چلنا اس حال میں کہ وہ سورج ہے اس کا راز فاش کرتا ہے۔

اے ممدوح! میں وادی کا سخت پتھر ہوں جب اس سے مزاحمت کی جائے اور جب میں گفتگو کروں تو جوزاء سے قدر و منزلت میں عظیم الشان ہوں۔ جب میری قدر و منزلت کند ذہن جاہل پر پوشیدہ رہے تو میں معذور سمجھتا ہوں کہ نابینا مجھے نہ دیکھے۔

بدر بن عمار کی ہمراہی میں وہ کچھ عرصہ ابوعلی ہارون کے پاس رہا اور بعد میں ۳۲۸ھ میں بدر بن عمار کے دربار میں جا پہنچا۔ وہیں اس کو زندگی کا صحیح معنوں میں چین نصیب ہوا، اور اس کی امیدوں کی کلیاں کھلیں۔ متنبی اس آرام و آسائش کو پا کر پھولا نہ سمایا۔ بدر بن عمار کی تعریف والہانہ انداز میں کر رہا ہے جو تمہید و تشبیب سے عاری ہے۔

أحُلماً نری ام زماناً جدیداً ۔۔۔ ام الخلق فی شخصٍ حیٍّ أُعیدا
سرایناً ببدرٍ وآبائہ ۔۔۔ لبدرٍ ولوداً وبدراً ولیداً

کیا ہم خواب دیکھ رہے ہیں یا زمانہ ہی نیا آگیا ہے کہ تمام مخلوق کی
خوبیاں ایک زندہ شخص (بدر بن عمار) میں جمع کر دی گئی ہیں۔ ہم
بدر بن عمار اور اس کے آباو اجداد کی وجہ سے ایسے چاند دیکھتے ہیں
جو والد بھی ہے اور مولود بھی یعنی ایسے چاند دیکھتے ہیں جو چاند
پیدا کرتے ہیں۔

متنبی نے مختلف قصائد میں بدر بن عمار کی جی کھول کر تعریف کی ہے بلکہ بعض جگہ تو بڑی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ ممدوح جن صفات حسنہ کا حامل ہے اُن کا بڑا تفصیل سے ذکر کیا ہے بلکہ بعض جگہ تو مدح میں اتنا غلو ہے کہ جس کا سہارا لیکر ایک طبقہ نے اس پر کفر و الحاد کا فتویٰ لگا دیا۔

لو کان علمک بالالٰہ مقسّما ۔۔۔ فی الناس مابعث الالٰہ رسولا
لو کان لفظک فیہم ما انزل ۔۔۔ الفرقان والتوراۃ والانجیلا

اگر تیری خدا شناسی لوگوں میں تقسیم ہوجاتی تو خدا کسی رسول کو نہ بھیجتا
اور اگر تیرا کلام لوگوں میں پایا جاتا تو معاذ اللہ خدا تعالیٰ قرآن،
توریت اور انجیل کو نہ نازل فرماتا۔

اس کی اس ذہانت اور شعری صلاحیت نے اس کے ممدوح کو اس کا گرویدہ کر دیا۔ مصاحبین و حاشیہ نشین بھلا اس کو کب گوارا کر سکتے تھے، انھوں نے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ جب اسے پتہ چلا تو بہت دکھ ہوا اور سمجھ گیا کہ اب وہ مزید وہاں نہ ٹھہر سکے گا۔ چنانچہ دلی رنج و الم کا اظہار ایک قصیدہ میں کرتا ہے:

کأنّ الحزنَ مشغوفٌ بقلبی ۔۔۔ فساعۃَ ھجرھا یجد الوصالا
علی قلق کأن الریح تحتی ۔۔۔ اُوجّھُھا جنوبا او شمالا

گویا حزن و ملال میرے دل پر عاشق ہے محبوبہ کی جدائی کے وقت اس کا دل سے وصال ہوتا ہے یعنی محبوبہ کے فراق میں میرا دل ہمیشہ رنجیدہ وغم زدہ رہتا ہے۔

میں اضطراب و بے چینی میں کہیں نہیں ٹھہرتا ہوں گویا میں ہوا کی پیٹھ پر سوار ہوں کہ کبھی اسے شمال کی طرف اور کبھی جنوب کی طرف چلاتا رہتا ہوں

لیکن مزید برآں بدر بن عمار شام کے کچھ مفتوحہ ساحلی علاقوں پر تسلط جمانے جانے لگا۔ تو متنبی کسی وجہ سے نہ جا سکا جس پر حاسدین نے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کیے۔ متنبی نے اس قصیدہ کے ذریعہ معذرت خواہی کی۔

فظنّ الفؤاد لما اتیت من النوی ولما ترکت مخافۃً ان تفطنا

میرا دل اس غلطی کو جو آپ سے سفر میں الگ رہ کر کی ہے خوب سمجھ گیا ہے اور ساتھ نہ جا کر جس خدمت کو چھوڑ دیا ہے اس ڈر سے کہ آپ سمجھ جائیں گے اس سے بھی غافل نہیں ہوں۔

عذر خواہی سے بدر کے شکوک وشبہات رفع ہو گئے مگر وائے قسمت ایک دن بر سر دربار محفل مے نوشی منعقد تھی۔ وہ شراب سے طبعاً نفرت کرتا تھا مگر جب بہت اصرار ہوا اور بادشاہ نے بھی کہا تو حکم حاکم مرگ مفاجات کے مصداق پی لی لیکن جب دوسرے دن پھر وہی ہوا تو اس نے سختی سے انکار کر دیا اور آداب شاہی اور ایوان مملکت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا:

وَجَدْتُ المُدَامَۃَ غلّابۃً تُهَيِّجُ للقلب اشواقَہ
تُسِيءُ من المرء تادیبہٗ ولکن یحسّنُ اخلاقَہ
وانفسُ ما للفتی لُبُّہٗ وذو اللب یکرہ انفاقَہ